ناول ''جھوک سیال'' میں معاشرتی اقدار سے منحرف کرداروں کا مطالعہ

A Study of The Characters Deviant from Social Values in The Novel "Jhok Siyal"

محمد شاہد علی[i] ڈاکٹر طاہر عباس[ii]

Abstract:

"Jhok Siyal" is an Urdu novel written by Syed Shabbir Hussain Shah. It describes how the religious community is engaged in robbing people of weak faith by promoting superstitions under the guise of Sharia and Tariqat. In this, the pharaohism of the feudal class has been exposed in the daily life of Punjab. In their view, the status of poor farmers and farmers is no more than insects. Thanks to their landlords, the monks in the monasteries, and their nexus, they take advantage of these poor and downtrodden people. They kidnapped their poor and forced women through their jobs to keep them busy. Such earthly gods, thanks to their bullying rigging, trample the bodies of these starving, naked bodies under their feet to reach the halls of power and protect their personal and imperial ambitions. In this novel, those detestable characters deviating from social values are identified who are engaged in robbing the simple and oppressed people of Villages. In it, the police station, patwar culture, and oppression of other government officials have been described in great detail.

Keywords: *Urdu Novel, Jhok Siyal, Syed Shabbir Hussain Shah, Social Values, Superstitions, Guise, Nexus, Monasteries, Landlords, Deviating, Kidnap, Oppressed, Punjab.*

''جھوک سیال'' سیّد شبیر حسین شاہ کا تخلیق کردہ ناول ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح مذہبی طبقہ شریعت اور طریقت کی آڑ میں توہمات کو فروغ دے کر ضعیف العقیدہ لوگوں کو لوٹنے میں مصروف ہے۔ اس میں پنجاب کی دیہی زندگی میں جاگیردار طبقے کی فرعونیت کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اِن کی نظر میں غریب مزارعوں اور کسانوں کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہے۔ خانقاہوں کے گدی نشین اور جا گیر دار آپس کے گٹھ جوڑ کی بدولت اِن مفلوک الحال اور پسے ہوئے لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ یہ انہیں اوقات میں رکھنے کے لیے اِن کی مفلس اور مجبور عورتوں کو اپنے گماشتوں کے ذریعے اغوا کروا کر، اپنی ہوس کا نشانہ بناتے ہیں۔ ایسے زمینی خدا اپنی دھونس دھاندلی کی بدولت، اِن بھوکے ننگوں کے جسموں کو اپنے پیروں تلے رگیدتے ہوئے اقتدار اور طاقت کے ایوانوں میں پہنچ جاتے ہیں اور اپنے ذاتی اور سامراجی عزائم کو تحفظ دیتے ہیں۔ اس ناول میں معاشرتی اقدار سے منحرف اُن مکروہ کرداروں کی نشاندہی کی گئی ہے جو دیہی علاقوں کے سیدھے سادے اور مظلوم لوگوں کو لوٹنے کھسوٹنے میں مصروف ہیں۔ اس میں تھانہ، پٹوار کلچر کے علاوہ دیگر سرکاری کارندوں کے ظلم و جبر کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: اردو ناول، جھوک سیال، سید شبیر حسین شاہ، معاشرتی اقدار، منحرف کردار، پنجاب، توہمات، بھیس، گٹھ جوڑ، خانقاہیں، جاگیردار، منحرف، اغوا، مظلوم۔

اقدار سے مراد وہ خاص پیمانہ جس کی مدد سے نیکی اور بدی میں فرق قائم کیا جا سکے۔ اس کے ذریعے کوئی بھی شخص درست راستے کا انتخاب باآسانی کر سکتا ہے دنیا کے ہر معاشرے میں اچھائی اور برائی کا تصور موجود ہے۔ یہ ہر شخص کی اپنی صواب دید ہے کہ وہ کس منزل کا انتخاب کرتا ہے۔ سبطِ حسن کہتے ہیں:

کسی معاشرے میں روابط سلوک، اخلاق و عادات، طرز بدش، رسم و رواج، حسن و جمال

i اسکالر پی ایچ۔ ڈی، شعبہ اُردو، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور۔ (Corresponding Author)

ii ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور۔

اور فن و اظہار کے جو معیار رائج ہوتے ہیں وہی اس معاشرے کے سماجی اقدار کہلاتے ہیں۔[۱]

معاشرتی اقدار سے انحراف کئی عوامل کی وجہ سے ہو سکتا ہے؛ مثلاً مذہب سے دوری، اخلاقی قدروں کا تنزل، فرقہ واریت، لسانیت، بگڑتی معاشی حالت، دولت اور پیسے کی حرص، انسانیت کی ناقدری اور نفسانی خواہشات کی تکمیل وغیرہ۔ ہمیں اپنی زندگی میں بے شمار معاشرتی اقدار سے منحرف کردار دیکھنے کو ملتے ہیں اور ان سے واسطہ بھی پڑھتا رہتا ہے۔ اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ ہم نے اسی تناظر میں ناول جھوک سیال کے منحرف اہم کرداروں کا مطالعہ کیا ہے۔ ناول جھوک سیال سید شبیر حسین کی تخلیق ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے دیہاتی زندگی پر لکھے جانے والے ناولوں میں منشی پریم چند کے ناول گئودان کے بعد اسے سب سے اہم ناول قرار دیا۔[۲] یہ ناول ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ اِس پر پاکستان ٹیلی وژن سینٹر نے ایک ڈراما سیریل بھی بنائی۔ اس ڈرامے کا ایک ڈائیلاگ لوگوں میں بہت مشہور ہوا، جس میں ایک ملنگ نعرہ بلند کر کے دھمال ڈالتا اور کہتا کہ "پیر سائیں آندا اے تے مٹھے چول کھاندا اے۔"[۳]

جھوک سیال میں ناول نگار نے پنجاب کی دیہی زندگی میں مذہبی پیشواؤں، گدی نشینوں، جاگیرداروں، سرکاری افسران اور اِن کے کارندوں کی بداعمالیوں کو بہت ہی عمدہ طریقے سے قاری کے سامنے کھول کر رکھا ہے۔ وہ برطانوی دور میں تحصیل دار تھے۔ اُنھیں فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں مختلف علاقوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے بے شمار مواقع میسر آئے۔ اس لیے اپنے مشاہدے کی بدولت انھوں نے دیہی زندگی کی محرومیوں کو دیکھا اور ان کے درد کو محسوس کیا۔ اس بات کی گواہی ان کے ناول کو پڑھ کر دی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> دیہی معاشرت کے خراب کرداروں (villains) مثلاً پیر عدالت حسین شاہ، منشی سردار محمد، اسمبلی ممبران، پولیس افسران کی عکاسی خصوصی طور پر باقی لا تعداد اچھے برے کرداروں کے عکاسی عمومی طور پر انھوں نے اچھے انداز سے کی ہے۔"[۴]

پیر عدالت حسین شاہ اس ناول کا معاشرتی اقدار سے منحرف مرکزی کردار ہے۔ وہ کوٹ مولراج کے دربار کا گدی نشین تھا، جس کے مرید لاکھوں کی تعداد میں سکھر سے منٹگمری تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کے والد کو انگریزوں کی غلامی کے صلے میں موضع جھوک سیال میں ۲۰ مربع زرعی اراضی جاگیر کے طور پر عطا کی

گئی تھی۔ پیر کی تعلیمی قابلیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ کبھی سکول نہیں گیا تھا۔ بڑی مشکل سے گھر میں تین پارے قران شریف پڑھ سکا، تاہم وہ ہر وقت نئی سے نئی عورتوں کا شوقین تھا۔ پہلی شادی ۱۸ سال کی عمر میں ہوئی۔ دوسری شادی ۲۲ سال کی عمر میں کی جب عرس کے موقع پر مُرید کی بیٹی کو دل دے بیٹھا تھا۔ تیسری شادی خانہ بدوش قبیلے کی ایک خوب رُو دوشیزہ کو پانچ ہزار میں خرید کر سرانجام دی۔ گھر میں تین بیویاں ہونے کے باوجود ہر وقت عورتوں کی جنسی قربت کا اِس قدر خواہاں تھا کہ گھر میں کام کرنے والی نوکرانیوں اور بے شمار مریدنیوں کو خاص قُرب سے ''فیض یاب'' کر چکا تھا۔ ڈاکٹر محمد افضال بٹ کہتے ہیں:

> اسلام میں تو پیر، رہبر اور رہنما ہوتا ہے۔ وہ عزتوں اور عصمتوں کے تقدس کا رکھوالا ہوتا ہے۔ اس کی نظر صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے بنائے ہوئے اصولوں اور راستوں پر ہی کاربند رہتی ہے، لیکن یہاں تو سب کچھ الٹ ہو چکا ہے۔[۵]

پیر عدالت حسین شاہ جس کی نس نس میں شہوت اور عورت کے قُرب کی اشتہا سمائی ہوئی تھی، اس کی نظر میں غریب مزارعوں اور کسانوں کی بہن بیٹی کی بالکل عزت نہیں تھی۔ قاسو کمھار کی یتیم بیٹی زینو انتہائی حسین و جمیل تھی۔ پیر نے اِسے اپنے جال میں پھنسانے کے لیے وریاما کو کھڑاس لگوا کر دیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اپنے مطلب کی برآوری کے لیے اپنے منشی سردار محمد کے ذریعے زینو اور اس کے بھائی کو اپنی سالی کی شادی میں کام کرنے کے بہانے کوٹ مول راج بلوایا۔ اُس نے رات کے وقت زینو کو دھوکے سے اپنے پاس بُلایا اور پاؤں دبوانا شروع کرا دیے۔ حقیقت میں وہ غریب اور یتیم لڑکی کی عزت بند کمرے میں تار تار کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ بیچاری اس موقع پر انتہائی لاچار نظر آئی:۔

> وہ انھی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اپنے جسم کو مضبوط بازوؤں کی گرفت میں جکڑے ہوئے محسوس کیا اور نیم وار فتگی کے عالم سے یک بار چونکی۔ پیر نے اسے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا اور اس کے پیارے ہونٹوں کو بار بار چوم رہا تھا۔ گرم گرم سانس اس کے لبوں اور رخساروں کو تیزی سے چھو رہا تھا اور وہ بے بس اور بے سہارا کسی کی حیوانیت کا شکار ہو رہی تھی۔[۶]

اس ناول میں غربت اور مفلوک الحالی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل سے دو چار لوگ نظر آتے ہیں۔ ایسا معاشرہ جو تقسیم سے قبل بھی انگریزوں اور ان کے حمایت یافتہ جاگیرداروں کے چنگل میں

پھنسا ہوا تھا، آج بھی حالات جوں کے توں ہیں۔ ڈاکٹر پرویز حیدر لکھتے ہیں:

"جھوک سیال" پاکستان کے نیم جاگیر دارانہ اور نیم قبائلی دیہی معاشرے کا عکاس ہے اور پریم چند کی قائم کردہ حقیقت پسندانہ روایت کی توسیع ہے۔[7]

جاگیر دار انور قریشی کے نزدیک وہاں کے غریب لوگوں کی حیثیت جانوروں سے بھی کم تھی۔ وہ طاقت اور اختیار کے نشے میں جلاد بن بیٹھا تھا۔ اگر کوئی مزارعہ تھوڑی سی سرکشی کرتا تو اس کے پاس سبق سکھانے کے لیے کافی گُر موجود تھے، مثلاً اُس کے گھر میں سَن لگوانا، جانور کھلوانا، ذلیل و رسوا کروانے کے لیے سب کے سامنے جوتے لگوانا وغیرہ۔ اس نے باقاعدہ طور پر اپنے ڈیرے میں چور، ڈاکو، بد معاش اور رہزن رکھے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ انور قریشی نے فیصو مراثی کی لڑکی بدر نشان کو اپنے کارندوں کے ذریعے اُٹھوایا اور ڈیرے پر اس کے ساتھ جنسی زیادتی کر ڈالی۔ گاؤں کے چند لوگ اس کے ڈیرے پر احتجاج کے لیے آئے تو اُس نے بجائے شرمندہ ہونے کے، اپنے گماشتوں کے ذریعے اُلٹا لڑکی پر الزام لگا دیا کہ وہ پیشہ وَر تھی اور اپنی رضامندی سے یہاں آئی تھی۔[8] ڈاکٹر خالد اشرف کے خیال میں "جھوک سیال میں جس جاگیر دارانہ کلچر کو بیان کیا گیا ہے، اصل میں وہ پورے پنجاب کی دیہی زندگی کا المیہ ہے۔ بد قسمتی سے اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی کوئی احتجاج کرنے کا تیار نہیں ہے۔"[9]

جھوک سیال میں معاشرتی اقدار سے منحرف جس کردار سے واسطہ پڑتا ہے، وہ زمرد خان ہے۔ وہ ایک بردہ فروش ہے۔ اس کا تعلق ایک ایسے بھیانک گروہ سے ہے جو معصوم بچوں اور نوجوان لڑکیوں کی خرید و فروخت میں ملوث ہوتا ہے۔ بیگم جان ایک یتیم لڑکی تھی۔ زمرد خان نے جب اس بچی کو دیکھا تو اسے اپنا ہدف پورا ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ایک سال تک اس کو اعتماد میں لینے کے لیے ہمدردی جتلاتا رہا اور کھانے پینے کے لیے کبھی لڈو، چلغوزے، گلاب جامن اور ریوڑیاں وغیرہ لا کر دیتا رہا۔ بیگم جان کی ذات گھر میں ویسے ہی بے معنی تھی۔ اس لیے اُس سے تعلق کا نہ گھر والوں نے اور نہ ہی علاقے والوں نے کوئی نوٹس لیا۔ ایک دن وہ اس کے لیے نئے کپڑے لایا۔ زمرد خان نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ اس مکار کی باتوں میں آگئی اور بیٹی بن کر مانسہرہ شہر چلی گئی۔ وہ نصیبوں کی ماری مختلف ہاتھوں میں فروخت بھی ہوتی رہی اور اپنی عزت لٹوانے کا ماتم بھی کرتی رہی:۔

> پہلی بار گوجر خان میں سات صد کے عوض بکی۔۔۔ یہ خریدار بھی بردہ فروشی کا کاروبار کرتا تھا۔ اس نے ایک صدر روپے کے منافع پر اپنے جانے پہچانے ہم پیشہ کے پاس مزید نفع کما کر بیچ دیا۔۔۔آخر کار وریامانے گھر بسانے کی خاطر بیگم جان کو ایک ہزار دوسو روپے میں خرید لیا۔"[۱۰]

مائی پھتاں کوٹ مول راج میں پیر عدالت حسین شاہ کے گھر کی سب سے پرانی اور بااعتماد ملازمہ تھی۔ وہ اس کے والد مرحوم کے دور میں اس وقت یہاں لائی گئی تھی جب اس کا حُسن جوبن پر تھا۔ جوانی میں اس نے بڑے پیر صاحب کو دادِ عیش دینے میں کسی قسم کے بخل سے کام نہیں لیا۔ وہ عمر کے آخری حصہ میں ہونے کے باوجود اسی کردار کی مالک تھی۔ مائی پھتاں کی وجہ سے درجنوں معصوم کنواری لڑکیاں پیر کے ہاتھوں اپنا قیمتی عصمتِ گوہر لٹوا بیٹھی تھیں۔ جب زینو کو کوٹ مول راج میں لایا گیا تو رات کی تنہائی میں اُسے جنسی بھیڑیے کے آگے ڈالنے میں وہ پیش پیش تھی:۔

> تم پاؤں دباتی رہو، کہیں حضور جاگ نہ جائیں۔ اتنا کہہ کر وہ بھی وہاں سے چلتی بنی اور زینو تنہاآنکھیں نیچے کیے بے بسی کے عالم میں پیر کی خدمت کرتی رہی۔"[۱۱]

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے پولیس کو عوام کے جان و مال کی حفاظت اور جرائم کی بیخ کنی کے بجائے سلطنتِ برطانیہ کے استحکام اور مضبوطی کے لیے استعمال کیا۔ شبیر حسین شاہ چوں کہ خود سرکاری افسر رہ چکے تھے، اس لیے پولیس کے محکمے میں پائی جانے والی مالی و اخلاقی بے ضابطگیوں اور عام لوگوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے بھیانک سلوک کو بڑے قریب سے جانتے تھے، جبھی انھوں نے اُن غریب مزارعوں اور سائلین کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کو کمال مہارت سے ناول کے پیرائے میں پیش کیا۔ شہزاد منظر کے خیال میں شبیر حسین شاہ نے جاگیرداروں کے مظالم، پولیس کی بربریت اور سفاکیت کی عکاسی کمال سچائی سے کی ہے۔"[۱۲] ناول نگار نے بتایا کہ اگر دیہات میں کسی مفلس شخص کی بدقسمتی سے چوری ہو جائے تو انصاف کے حصول کے لیے اسے کس طرح پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔ تھانے کا نام سنتے ہی اس کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ موضع جھوک سیال کا غریب اور لاچار احموں تیلی، جس کی رہائش شام لاٹ کی زمین پر بنائی گئی چھوٹی سی جھونپڑی میں تھی۔ اس کی دو بھیڑیں اور ایک بکری کسی نے چُرالی۔ وہ دادرسی کے لیے منشی سردار محمد کی سفارش پر پہلی بار تھانے گیا، جہاں اُس کا استقبال انتہائی فحش گالیوں سے ہوا:۔

اوئے کھوتے دے پُتر۔ بے نکاحی ماں کے حرامی بچے۔۔۔ اوئے ڈاچی کے ست مانہیں پھل۔ بکتا کیوں نہیں۔ [۱۳]

جیسے ہی وہ چھوٹے منشی کے پاس رپٹ لکھوانے پہنچا، اُس نے گالیوں کے ساتھ ساتھ دو تین سخت تماچوں کا بھی اضافہ کر دیا۔ مندرجہ بالا اقتباس کو پڑھ کر یہ پتا چلتا ہے کہ پولیس غریب اور لاچار لوگوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گالم گلوچ اور تشدد کرنا معمول ہے۔ تھانے میں رپٹ درج کروانے کے باقاعدہ پیسے مقرر ہوتے ہیں۔ چھوٹے منشی نے احموں کو کہا:

لاؤ ۱۰ روپے چھوٹے منشی نے کاغذ پینسل تھام کر رپٹ لکھنے کے انداز میں کہا۔۔۔ روپے نکالو روپے۔ پھر رپٹ درج ہو گی۔ [۱۴]

اس ناول میں ایک اہم کردار پٹواری کا ہے۔ ناول نگار نے انگریز دور سے پٹواری کو عطا کیے گئے بے لگام اختیارات اور اس کے نتیجے میں اُس ظلم و جبر کو بیان کیا ہے، جو اَن پڑھ کسانوں اور مزارعوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔۔ رفاقت حیات ناول نگار کے حوالے سے کہتے ہیں:

انھوں نے طبقاتی سماج میں برتے جانے والے استحصال کے تمام پینتروں کو نمایاں کیا ہے جو صدیوں سے کسانوں اور ہاریوں کا خون چوس رہے ہیں۔ [۱۵]

پٹواری بظاہر تو ایک معمولی سا حکومتی کارندہ ہے۔ اُس کا کام زمین اور اُس سے متعلق دیگر معاملات کا ریکارڈ رکھنا اور فصلوں کی پیداوار کی رپورٹ اعلیٰ حکام کرار سال کرنا ہے، مگر حکومتِ برطانیہ نے اس کے لال رجسٹر میں ایسی طاقت بھر دی تھی کہ اس کے قلم کی معمولی سی جنبش بادشاہوں کو بھکاری بنا سکتی تھی۔ دیہات میں پٹواری کی ہیبت اور طاقت کو ناول کے اس اقتباس کو پڑھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:۔

آج جھوک سیال میں ایک ایسا سرکاری اہلکار وارد ہو چکا تھا جس کے وسیع اختیارات کی خطرناک لپیٹ سے بچ نکلنا جاہل دہقانوں کے بس کی بات نہ تھی۔ [۱۶]

سید برکت علی شاہ پٹواری کا تعلق محکمہ انہار سے تھا۔ اس کی آمد کی خبر ملتے ہی جھوک سیال کے کسان اور مزارعے فوری طور پر خوف اور پریشانی کے عالم میں حاضرِ خدمت ہو گئے۔ پٹواری کے ہاتھ میں ٹبی مراد کا رجسٹر گرداوری کھلا ہوا تھا۔ جانوں کھرل نے چار کیلے فصل کاشت کی لیکن اس نے چھے کیلے گرداوری

اس پر ڈال دی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی میری فصل کو مکڑی کھا گئی، دوبارہ کاشت کرنے پر بھی چار میں سے دو کیلوں پر کہیں کہیں پودا اگا۔ پٹواری برکت علی شاہ نے رعونت سے کہا کہ جس وقت میں یہاں گرداوری کے لیے آیا تھا، کیا تم اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ سوئے ہوئے تھے؟اب جو لکھا گیا وہ لکھا گیا۔ اس میں بالکل بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر نوازش علی کہتے ہیں:

> اس ناول میں گاؤں کے تمام طبقات مثلاً جاگیر دار، چھوٹے کسان، بڑھئی، لوہار، چکی والا، مسجد کے امام، اور جاگیر داروں کے گماشتوں، پٹواری اور پیر و مرشد سب کی بڑی حقیقت پسندانہ عکاسی کی گئی ہے۔[۱۷]

ناول جھوک سیال میں نیم جاگیر دارانہ سوچ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خود ساختہ احساس برتری کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں رفاقت حیات کہتے ہیں کہ ''دیہی تہذیب کی گھناؤنی روایات کو سید شبیر حسین نے نہایت عمدگی کے ساتھ ناول کے دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔''[۱۸]

دیہاتی زندگی میں ذات پات کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ برتری کا گھمنڈ چاہے قومیت کا ہو یا نسلی برتری کا، اس سے انسانی ترقی کی رفتار رک جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر غلام اصغر خان کہتے ہیں:

> ہماری امامت اپنی برادریوں کو برتر اور منظّم ثابت کرنے کی غیر اخلاقیت کرتی ہے۔[۱۹]

ذات پات میں ڈوبا ایک کردار موضع دادو آنہ کا جاگیر دار فلک شیر لنگڑیال کا ہے، جو اپنی دولت اور طاقت کے بل بوتے پر کسی غریب کو انسان نہیں سمجھتا۔ ایسے جاگیر دار لوگ دیہات میں چھوٹے چھوٹے کام کرنے والے لوگوں کو ان کی اوقات یاد دلوانے اور تضحیک کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے مختلف پیشوں سے وابستگی کی بناء پر انھیں نام کی بجائے اس پیشے سے اتنا پکارا جاتا ہے کہ وہ اگلی نسل تک وہ اختیار شدہ پیشہ ان کی ''ذات'' بن چکا ہوتا ہے۔ دیہاتی ماحول میں موچی، قصائی، نائی، تیلی، ماچھی، کمھار، پاولی، کھوجا، نیل گر، جولاہا، دھوبی، کنجڑا، مراثی، مصلی اور لوہار وغیرہ کو کمتر سمجھا جاتا ہے:

> پوچھا کہ کون ہوتے ہو۔ ذات کیا ہے۔ میں نے کہا کہ مخلوق تو سب خدا کی ہے۔ باقی ذات بات تو بے معنی سی بات ہے۔ زہر آلود نگاہوں سے مجھے گھور کر بولا۔ خدا جھوٹ نہ کرے میراثی دکھائی دیتے ہو۔ میں نے کہا کہ میں اگرچہ میراثی نہیں ہوں۔ میراثی بھی تو آخر انسان ہیں۔ جس پر چھڑی لے کر مجھے مارنے دوڑا۔[۲۰]

ناول جھوک سیال میں معاشرتی اقدار سے منحرف ایک اہم کردار 'وریاما' کا بھی ہے۔ وہ قاسو کمھار کا بیٹا تھا اور زینو کا بڑا بھائی تھا۔ انتہائی نکھٹو اور کام چور تھا۔ پیر کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے اپنی بہن کا دلال تک بنا ہوا تھا۔ پیر عدالت حسین شاہ وریاما کی بہن پر "نظر" رکھے ہوئے تھا۔ اُس نے ایک مرتبہ عزت لوٹنے کی کوشش بھی کی جسے زینو نے مزاحمت کرتے ہوئے ناکام بنا دیا اور اپنے ساتھ گزرنے والا بھیانک واقعہ اُسے سنایا۔ غیرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اپنی کو بہن کو بے آبرو کرنے کی ہمت کرنے والے سے بدلہ لیتا، مگر اُس نے زینو کے مُنھ پر تھپڑ مارے اور اسے بد کردار ہونے کا طعنہ دیا:

> پیر نے گزشتہ شب تنہائی میں مجھے پکڑ لیا۔۔۔۔۔ میرے بھائی کو میری عزت سے پیر کے ٹکڑے زیادہ پیارے ہیں۔[۲۱]

ناول جھوک سیال میں معاشرتی اقدار سے منحرف کردار کثرت سے ملتے ہیں۔ ان میں ایک نام منشی سردار محمد کا بھی ہے۔ پیر عدالت حسین شاہ کے زیر سایہ وہ ایسے مکروہ دھندوں میں ملوث تھا جنھیں کسی بھی مہذب معاشرے میں قدر اور عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ وہ جھوک سیال میں کسی بھی شخص کی بہن، بیٹی اور بیوی کو پیر کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتا تھا۔ وہ ماچھی تیلی کی نوجوان بیٹی نوراں کو نوکری دلوانے کے بہانے دربار پر لے گیا جہاں پیر کے ہاتھوں اس کی عصمت تار تار ہو گئی۔ دائمی جھبیل قتل کے جرم میں جیل میں تھا۔ وہ اس کی بیوی کو بھی ورغلا کر دربار پر لے گیا۔[۲۲]

ناول نگار سید شبیر حسین نے اپنے ناول کے توسط سے قیامِ پاکستان کے بعد کمزور عدالتی نظام کی طرف بھی تربیت توجہ دلائی۔ انگریز اگرچہ غاصب تھے لیکن اُن کے دور میں نظامِ انصاف کافی بہتر تھا۔ آزادی کے بعد عدالتوں میں رشوت، سفارش اور سیاسی اثر رسوخ میں کافی اضافہ ہو گیا۔ ایسا معاشرہ جہاں لوگوں کو بروقت اور شفاف انصاف نہ ملتا ہو وہاں لا قانونیت، بے حسی اور بے چینی جنم لیتی ہے۔ اس لیے احمد عمران مظہر کہتے ہیں:

> جج کا کام صاف اور شفاف انصاف کی فراہمی ہے۔ اس نے یہ بھی نہیں دیکھنا ہوتا کہ اس کے سامنے اس کا رشتہ دار ہے یا وہ دنیا کے کسی مذہب، قوم، نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے صرف یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ جو مروجہ قانون ہے اس کی روشنی میں اس کا کیا رائیٹ بنتا ہے۔ یہ اس کی ڈیوٹی میں شامل ہوتا ہے اور لوگ عدالت آخری دروازہ سمجھ کر آتے ہیں

اور اگر لوگوں کو انصاف نہ ملے تو معاشرے میں انار کی پھیلتی ہے اور اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔[۲۳]

شیخ محمد عتیق ایڈیشنل سیشن جج تھا جو منٹگمری کی عدالت میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اس کی ملازمت چند ماہ بعد ختم ہونے والی تھی۔ اُس نے صوبائی حکومت کو اپنی ملازمت میں توثیق کی درخواست دی ہوئی تھی۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی کرسی بچانے کے لیے پیر سے مقدمے میں خلاصی کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ اُس کی درخواست روٹین کے مطابق وزیر اعلیٰ کی میز پر آئی تو چیف سیکریٹری نے اس کی مدت ملازمت میں Extension کی سخت مخالفت کی اور لکھا کہ یہ بندہ اگرچہ ایماندار ہے لیکن اول درجے کا کام چور اور نالائق آدمی ہے۔ اس کے باوجود وزیر اعلیٰ نے اسے اپنے پاس ذاتی حیثیت میں طلب کر کے شرط رکھی کہ پیر کا مقدمہ اس کی عدالت میں آیا ہوا ہے۔ اگر وہ اس کو مقدمے سے باعزت بری کر دے تو اس کی توثیق کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ جج شیخ محمد عتیق نے اپنے حلف کی بجائے ذاتی مفاد کو ترجیح دی اور انصاف کا خون کرنے پر راضی ہو گیا۔ چناں چہ اس کو ملازمت میں دو سال کی توسیع اور پیر کو قتل کے کیس سے چھٹکارا مل گیا۔ سماج اور انصاف کی اقدار کو روندنے میں پیش پیش کوٹ مول راج کا وہ مجسٹریٹ تھا جس نے اپنی ترقی اور سیاسی اثر ورسوخ کے زیر تحت انصاف سے ہٹ کر فیصلے کیے:

> مجسٹریٹ کیوں کہ پیر کے اثر ورسوخ کا شہرہ سن چکا تھا اور حال ہی میں اپنے ماموں کی کوششوں سے جو وزیرِ مال کا سٹینو گرافر تھا، نائب تحصیل داری کے عہدے سے ترقی کر کے مجسٹریٹ درجہ اول کے عہدے پر فائز ہوا تھا۔ ایک تو پیر کا خوف دوسرے مجسٹریٹ درجہ سوم سے درجہ اول پر تقرری کے ساتھ ساتھ احساس کمتری؛ دونوں وجوہ نے مل کر ایک غیر قانونی حکم ادارے کی مہتمم بیگم خلیل کے نام لکھنے پر مجبور کیا۔[۲۴]

شبیر حسین شاہ نے ناول میں درباروں کے گدی نشین، جاگیر دار اور سیاست دان، ان تینوں کے باہمی تعلق کو ایک مثلث کی شکل میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں احسان اکبر اس نظام کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ "ناول جھوک سیال تحریک پاکستان تک کے پنجاب میں جنم لینے والی سیاسی اور طبقاتی ریشہ دوانیوں کو موجود سیاست اور معاشرت کے پس منظر میں بڑی خوب صورتی سے ظاہر کرتا ہے۔"[۲۵]

انگریزوں کے برصغیر پر قبضے اور اس کے بعد ان تینوں نے عوام کا بری طرح استحصال کیا۔ ان پر نہ

ختم ہونے والے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ جاگیر دار اور گدی نشین سیاسی میدان میں اس لیے قدم رکھتے ہیں تاکہ انھیں بے پناہ انتظامی اختیارات حاصل ہو جائیں۔ ناول نگار سید شبیر حسین نے جھوک سیال میں سیاست دانوں کی بدعنوانیوں اور لوٹ مار کو کھل کر بیان کیا ہے۔ ان لوگوں نے پاکستان کے بنتے ہی اس کی خدمت کرنے کے بجائے نوچنا شروع کر دیا۔ بد قسمتی سے یہ سلسلہ اُس وقت سے تا حال جاری و ساری ہے۔ انھی لوگوں کے متعلق قائدِ اعظمؒ نے کہا کہ ''میری جیب میں سارے سکے کھوٹے ہیں۔'' جب پاکستان وجود میں آیا تو مسلم لیگ کے ارکان اسمبلی کی اکثریت انتہائی نااہل تھی۔ اتنے بڑے نظام کو سنبھالنے کی صلاحیت ان میں مفقود تھی۔ وہ لوگ ذاتی مفادات کے لیے اپنی اپنی من مانیاں کر رہے تھے۔ وزیر سرکاری افسران کے آئے روز تبادلے کروا رہے تھے۔ جو افسر کسی سیاستدان کا ناجائز کام کرنے سے انکار کرتا، اُسے سزا کے طور پر کسی دور دراز ضلع میں بھیج دیا جاتا، انھیں معطل کر دیا جاتا یا پھر ان کی سالانہ ترقی کی محکمانہ رپورٹوں کو خراب کرا دیا جاتا تھا۔ لوٹ مار کا بازار اتنا گرم کر دیا گیا تھا کہ خدا کی پناہ۔ اس کا احوال دیکھیے:

> اپنے اپنے حقوق کو جتلا کر متروکہ مکانوں، دکانوں، کوٹھیوں اور باغات کے حصول کی خاطر رسہ کشی ہو رہی تھی۔ کوئی ممبر اپنے میٹرک فیل صاحب زادے کو تھانے دار بھرتی کرانے پر مصر تھا تو دوسرا ممبر اپنے ایک دوست کے بھانجے کو انجینئرنگ یا میڈیکل کالج میں داخل کرانے پر اڑا ہوا تھا۔ حالانکہ امیدوار تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوا تھا۔[۲۶]

ناول جھوک سیال میں سید شبیر حسین شاہ نے ایک ایسے مکروہ کردار سے بھی روشناس کرایا جو بند کمرے میں تنہا عورتوں کے جن بھوت نکالتا تھا۔ پنجاب کے دیہاتوں میں تعلیم کے فقدان کی وجہ سے توہم پرستی عام تھی۔ لوگ ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ایسی ایسی باتوں پر یقین کر لیتے تھے کہ جن کا حقیقت سے دور پرے کا بھی تعلق نہ تھا۔ موضع دین پناہ میں ایک نیم برہنہ ولی اللہ رہتا تھا۔ گاؤں کی بڑی بوڑھیوں نے اس کے بارے میں مشہور کیا ہوا تھا کہ جن نوجوان عورتوں پر آسیب کا سایہ ہو، وہ عامل انھیں اپنی بند کوٹھڑی میں لے جا کر ایسا کلام پڑھتا کہ عورت زور زور سے چیخنا چلانا شروع کر دیتی۔ یہ چیخیں جن، بھوتوں اور چڑیلوں کی ہوتی تھیں۔[۲۷] اس کے بعد وہ اس عورت کے جسم سے باہر نکل کر بھاگ جاتا۔ بابا جن بھوت بھگانے والا ایسا ''ڈاکٹر'' تھا جو صرف اور صرف عورتوں کا ہی ''علاج'' کرتا تھا۔ معصوم دیہاتی اپنی نوجوان اور

کنواری لڑکیوں کو اکیلے رات کے وقت بخوشی اس جنسی درندے کے حوالے کر جاتے تھے۔

سید شبیر حسین شاہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں تحصیل دار کے عہدے پر فائز رہے۔ اس لیے لکھے گئے ناول میں پیش آنے والے واقعات اِن کے گہرے مشاہدے کی شہادت دیتے ہیں۔ انھوں نے پسے ہوئے طبقے کی تکلیفوں، پریشانیوں اور ناآسودہ خواہشات کو دل سے محسوس کیا اور موضوعِ بحث بنایا۔ ناول جھوک سیال قیامِ پاکستان کے بعد دیہی زندگی پر لکھے جانے والے اولین اور شاندار ناولوں میں سے ایک ہے۔ اس نے حقیقت پسندانہ سوچ اور روایت کو مزید فروغ دیا اور نئے لکھنے والے ناول نگاروں کے لیے بطور مشعلِ راہ بھی ثابت ہوا ہے۔ شبیر حسین شاہ نے معاشرے کے ایسے کرداروں کا انتخاب کیا، جن کو عام زندگی میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اُن کے قلم نے ان کو نئی پہچان اور زندگی عطا کی ہے۔ اس ناول میں معاشرتی اقدار سے منحرف بے شمار کردار ہیں جو ہماری روزمرہ زندگی میں نظر آتے ہیں۔ اُن کے کردار وہی زبان بولتے ہیں جس ماحول سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ ناول جھوک سیال کو چوں کہ اُردو کے ابتدائی ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس میں کچھ فنی سقم بھی موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر انور سدید کہتے ہیں:

> ''جھوک سیال''میں پنجاب کے دیہات کا صرف جسمانی زاویہ بڑھتا ہے لیکن روحانی جہت سامنے نہیں آتی۔ فنی ناآگہی کی وجہ سے جزئیات میں خودروئیدگی زیادہ ہے۔[۲۸]

اس خامی کے باوجود بھی یہ ایک مقبول ترین ناول ہے اور اسے اُردو ادب میں اہم مقام حاصل ہے۔ سید شبیر حسین کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اُنھوں نے صرف ایک ناول لکھا اور امر ہو گئے۔ بعض لوگوں کی زندگی کئی کئی ناول لکھنے میں گزر جاتی ہے لیکن ایسی شہرت ان کا مقدر نہیں بن پاتی۔

حوالہ جات

---

۱ سبطِ حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء (کراچی: مکتبہ دانیال، طبع ہشتم، ۱۹۸۹ء)، ۴۷۔

۲ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال (کراچی: ورثہ پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء)، ۸۔

۳ رفاقت حیات، پاکستان میں اُردو ناول (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۲۲ء)، ۳۶۵۔

۴ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، آزادی کے بعد اُردو ناول (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۲۰۱۶ء)، ۱۴۶۔

۵ محمد افضال بٹ، اُردو ناول میں سماجی شعور (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء)، ۲۴۱۔

۶ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال، ۱۶۳۔

۷ ڈاکٹر وحید حیدر، ''اظہارِ تشکر''، مشمولہ: جھوک سیال، ا۔

۸ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال، ۱۶۲۔

۹ ڈاکٹر خالد اشرف، برصغیر میں اُردو ناول (دہلی: اُردو مجلس، ۱۹۹۴ء)، ۱۱۲۔

۱۰ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال، ۲۹۸۔

۱۱ ایضاً، ۱۶۔

۱۲ شہزاد منظر، ''اُردو ادب کے دس سال''، مشمولہ: تخلیقی ادب، شمارہ ۲ (کراچی: عصری مطبوعات، ۱۹۸۰ء)، ۵۰۔

۱۳ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال، ۳۹۔

۱۴ ایضاً، ۴۰۔

۱۵ رفاقت حیات، پاکستان میں اُردو ناول، ۳۶۶۔

۱۶ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال، ۱۱۲۔

۱۷ ڈاکٹر نوازش علی، عبارت (راول پنڈی: دھنک پرنٹرز، ۱۹۹۷ء)، ۳۱۱۔

۱۸ رفاقت حیات، پاکستان میں اُردو ناول، ۳۶۶۔

۱۹ غلام اصغر خان، نظریہ قومیت عالمی و مقامی تناظر (لاہور: عکس پبلی کیشنز، بار اول، ۲۰۲۲ء)، ۱۲۷۔

۲۰ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال، ۳۹۶۔

۲۱ ایضاً، ۱۷۶۔

۲۲ ایضاً، ۳۰۷۔

۲۳ احمد عمران مظہر (سول جج درجہ اول)، ملاقات از راقم، احمد سلیم مظہر ہاؤس کہروڑ پکا، ۷ جولائی ۲۰۲۴ء۔

۲۴ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال، ۲۰۷۔

۲۵ احسان اکبر، ''پاکستانی ناول: ہیئت، رجحان اور امکان''، مشمولہ: پاکستانی ادب، جلد ۵ (راول پنڈی: گورنمنٹ سر سید کالج، ۱۹۸۲ء)، ۸۱۳۔

۲۶ سید شبیر حسین شاہ، جھوک سیال، ۳۴۸۔

۲۷ ایضاً، ۳۰۰۔

۲۸ ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب کی مختصر تاریخ (لاہور: عزیز بک ڈپو، ۲۰۱۳ء)، ۵۷۵۔